علامہ محمد اقبال کی سیاسی زندگی

قیصر آفتاب احمد

Qaiser Aftab Ahmed

PhD Scholar, Department of Urdu,
National University of Modern languages, Islamabad.

عائشہ بیگم

Ayesha Begum

Ph.D Scholar, Department of urdu,
National University of Modern languages, Islamabad.

Abstract:

Allama Muhamamd Iqbal was a great Muslim Philasopher. He was not only a poet but also a prominent Muslim thinker. He involved in practical Politics only for twelve years. In his political period, he had played a vital role for the Muslim community.

In this research article the political life of Allama Muhammad Iqbal has been discussed.

شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال اسلامی دنیا کے عظیم فلاسفر تھے۔ انھوں نہ صرف بارہ سال عملی سیاست میں حصہ لیا بلکہ مسلمانوں کی الگ اسلامی ریاست کی تشکیل میں رہنمائی کی۔ اس مضمون میں ان کی بارہ سالہ سیاسی زندگی کے اہم واقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۔ پیدائش اور برصغیر کا سیاسی پس منظر

شاعرِ مشرق حکیم الامت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال ۹ نومبر ۱۸۷۷ء بروز سوموار کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ اقبال کا گھرانہ ایک معزز اور مذہبی اقدار کا حامل سمجھا جاتا تھا۔ بوقتِ پیدائش ان کا نام اقبال تجویز کیا جانا ان کی شخصیت کے لیے بہت سعد ثابت ہوا۔ صوفی خالد نظیر اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''اس اقبال مند روح کی بلند اقبالی کی بشارت گو شیخ نور محمد کو خواب میں مل چکی تھی۔ مگر ان کو بھی یہ احساس اس وقت نہ ہوا ہو گا کہ ان کے بلند اقبال صاحبزادے کا شمس اقبال تیسویں صدی کے عین نصف النہار پر ہو گا۔ نومولود کی

والدہ ماجدہ نے محمد اقبال نام تجویز کیا۔لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ بچہ اسم با سمّٰی ہوگا اوراس دور میں محمدؐ کا دین بلند سے بلند تر کر کے دکھائے گا۔''(۱)

ننھے اقبال کی پرورش اپنی عظیم ماں کے سایہ شفقت میں ہونے لگی۔ان کی والدہ محترمہ امام بی بی جیسی عظیم مائیں بہت کم بچوں کو نصیب ہوتی ہیں۔ جو بچوں کی جسمانی پرورش کے ساتھ ساتھ ذہنی اور روحانی نشوونما پر بھی نظر رکھتی ہیں اور بچے کو صراط مستقیم پر چلنے کی تلقین کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال بچپن ہی میں پاکیزہ مزاج اور سیدھے راستے پر چلنے والے ثابت ہوئے۔ انھیں عام بچوں کی طرح بُرے کھیل اور غیر سنجیدہ حرکات پسند نہیں تھیں۔

علامہ اقبال کا خاندان سیالکوٹ میں

صوبہ پنجاب کے شمال مشرق میں سیالکوٹ ایک بہت قدیم شہر ہے اور ایک تحقیق کے مطابق یہ شہر پانچ ہزار سال یا اس سے زیادہ عرصہ پرانا ہے۔ سیالکوٹ کے حوالے سے تاریخ سیالکوٹ میں محمد دین فوق لکھتے ہیں:

''سیالکوٹ ابتدائی مسلم سلاطین کے مختلف ادوار سے گزرا لیکن چودھویں صدی سلطان فیروز تغلق کے عہد میں (۱۳۵۱۔ ۱۳۸۸ء) جب دہلی میں بدنظمی اور ابتری کا ظہور ہوا تو سیالکوٹ کے.....حکمران راجہ سنہال نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی خاطر قلعہ کو مضبوط بنانا چاہا۔ سلطان فیروز تغلق کے حکم سے حضرت امام کی قیادت میں ایک خون ریز معرکہ برپا ہوا۔مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور قلعہ سر ہو گیا۔لیکن بہت سی نامور ہستیاں شہید ہوئیں۔خود امام صاحب زخمی ہوئے۔ زخم اس قدر شدید تھے کہ وہ جانبر نہ ہو سکے۔ اس واقعے کے بعد سیالکوٹ پر ہندو راج کا خاتمہ ہوا۔''(۲)

مغل بادشاہوں کے دور حکومت میں سیالکوٹ میں بہت ترقی ہوئی اور مسلم صوفیاء اور مشائخ اسلام کے حسن عمل اور خلق محمدی سے متاثر ہو کر بہت سے ہندوؤں نے اسلام قبول کر لیا اور مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ ہوتا رہا۔ ۱۸۰۷ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے سیالکوٹ پر قبضہ کر لیا۔ جب اقبال کے بزرگ سیالکوٹ میں ہجرت کر کے آئے تو اس وقت یہاں پر سکھوں کی حکومت تھی۔

اقبال کے دادا شیخ محمد رفیق نے سیالکوٹ میں کشمیری لوئیوں اور دھسوں کی فروخت کا کاروبار شروع کیا اور یہاں پر ہی محلّہ کھٹکاں میں رہائش اختیار کر لی۔اسی گھر میں شیخ نور محمد (والد اقبال) اور ان کے چھوٹے بھائی شیخ غلام محمد پیدا ہوئے اور ان کی شادیاں ہوئیں۔اقبال کی پیدائش بھی اسی مکان میں ہوئی جو بعد میں اقبال منزل کے نام سے موسوم ہوا۔

اقبال کو بچپن سے مطالعہ کا بہت شوق تھا اور وہ رات گئے تک کتابیں پڑھتے رہتے۔تاہم وہ

کھیل کود کے بھی شوقین تھے۔ شرارتیں بھی کرتے تھے اور بڑے حاضر جواب تھے۔ وہ ایسی شرارتیں نہیں کرتے تھے جس سے دوسرے لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچے۔ اقبال کو کبوتر پالنے کا بھی شوق تھا اور پتنگیں بھی اڑاتے تھے۔

اقبال نے ۱۸۹۳ء میں میٹرک کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا اور تمغہ اور وظیفہ بھی حاصل کیا۔ اس وقت ان کی عمر صرف سولہ سال تھی۔ میٹرک کا رزلٹ ۴ مئی ۱۸۹۳ء کو نکلا اور ۵ مئی ۱۸۹۳ء کو اسکاچ مشن کالج میں داخلہ لے لیا اور انٹرمیڈیٹ (ایف اے) کی پڑھائی شروع ہوگئی۔ ۱۸۹۳ء کو ایف اے امتحان پاس کرنے کے بعد آپ لاہور چلے گئے اور گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ جہاں سے آپ نے بی۔ اے اور ایم اے فلاسفی کے امتحانات پاس کیے۔ بی اے میں ان کے مضامین انگریزی، فلسفہ اور عربی تھے۔ ایم اے فلسفہ میں اقبال کی تھرڈ ڈویژن تھی۔ لیکن واحد امیدوار ہونے کی وجہ سے آپ کو گولڈ میڈل عطا کیا گیا۔

ایم اے فلسفہ کا امتحان دینے کے بعد اقبال ۱۳ مئی ۱۸۹۹ء کو اورینٹل کالج میں بطور میکلوڈ عربیک ریڈر کی حیثیت سے متعین ہوگئے اور چار سال تک ملازمت کی۔ اسی دوران انھوں نے اورینٹل کالج سے چھ ماہ کی بلاتنخواہ رخصت لی اور گورنمنٹ کالج میں انگریزی کے پروفیسر کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ تاہم ابھی تک ان کے دل میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی خواہش موجود تھی۔ چنانچہ ۲۶ فروری ۱۹۰۴ء کو گورنمنٹ کالج کی ملازمت چھوڑ کر قانون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلستان روانہ ہوگئے۔ جہاں سے آپ نے بار ایٹ لا اور جرمنی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی اور وطن واپس آ گئے۔

قومی زندگی

علامہ اقبال بنیادی طور پر پیدائشی شاعر تھے۔ تاہم انھوں نے نثر میں بھی لکھا۔ لیکن بہت کم لکھا۔ ان کے زیادہ مضامین اور مقالات انگریزی زبان میں لکھے گئے تھے۔ جن کا بعد ازاں اردو میں ترجمہ کیا گیا۔ ان کا ایک مقالہ ''قومی زندگی'' اردو زبان میں لکھا گیا جو شیخ عبدالقادر کے ادبی مجلّے ''مخزن'' میں اکتوبر ۱۹۰۴ء کے دو شماروں میں شائع ہوا۔ اس وقت اقبال گورنمنٹ کالج میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے تھے اور اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان پہنچ گئے تھے۔ قومی زندگی مقالے کے بارے میں ڈاکٹر محمد صدیق شبلی لکھتے ہیں:

> ''علامہ یورپ جانے سے پہلے بھی اسلام اور مسلمانوں کے مسائل سے گہری وابستگی رکھتے تھے۔ اور اس مقالے کا عنوان قومی زندگی بھی مسلمانوں کی قومی زندگی ہی سے عبارت ہے۔'' (۳)

ان نثر پاروں کو جن کی تحریر کا سلسلہ ان کی جوانی (۱۹۰۴ء) سے شروع ہوتا ہے اور ان کی

زندگی کے آخری سالوں یعنی ۱۹۳۸ء تک جاری رہتا ہے۔ ایک ساتھ دیکھتے ہیں تو ان کی سیاسی فکر سامنے آشکار ہو جاتی ہے۔ انھوں نے قومی مسائل نہ صرف مقالات کی صورت میں پیش کیے بلکہ اشعار کی صورت میں بھی۔ جو دل پر اثر کرتے ہیں۔ کیونکہ اقبال بہت دلائل سے بات کرتے ہیں۔ سید عبدالواحد معینی رقمطراز ہیں:

> ''اقبال نے اپنی زندگی کے سیاسی ارتقا کے حوالے سے اپنے اشعار سے دلوں کو گرمایا لیکن اپنی نثر سے انھوں نے قومی مسائل کو ٹھنڈے دل اور گہری نظر کے ساتھ سمجھنے اور متانت اور معقولیت کے ساتھ بیان کرنے کی ایک اعلیٰ روایت سے ہمیں سرفراز کیا ہے۔''(۴)

اگر مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اقبال کی نثر کا سرمایہ صرف دقیع ہی نہیں بلکہ بے شمار نثر نگاروں سے زیادہ وسیع اور ضخیم بھی ہے۔ ان کے اشعار اور مقالات ہمارے ملی مسائل اور مشکلات یک نشاندہی کرتے ہیں۔ اگر ہم مقالہ ''قومی زندگی'' کو ماضی قریب کے پس منظر میں دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ:

> ''اس تحریر نے نہ صرف برصغیر کے مسلمانوں ہی کے دل و دماغ پر گہرے اثرات پیدا کیے تھے بلکہ پاک و ہند کی پوری سیاسی اور معاشرتی فضا ان سے متاثر ہوئی تھی۔ اس تحریر کی قوت نے درحقیقت وقت کا بہاؤ اور تاریخ کا رخ متعین کرنے میں اہم حصہ لیا۔''(۵)

مقالہ ''قومی زندگی'' کا اگر بنظر غائر مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ علامہ نے مقالے کا آغاز میں فلسفہ ارتقا اور بقائے اصلح کے خیال کو بہت سادہ الفاظ میں پیش کیا ہے۔ لیکن اقبال کی یہ ایک بہت بڑی خوبی ہے کہ بات خواہ کتنی ہی سائنسی یا فلسفیانہ ہو وہ زندگی کے اصل اور فوری مسائل کو نظر انداز نہیں کرتے۔ وہ اپنی تحریروں کا آغاز ہی فلسفیانہ خیالات سے کرتے ہیں تا کہ واقعی مسائل کو سمجھنے سمجھانے میں آسانی پیدا ہو سکے۔

وہ تمہیدی بحث کے بعد زمانہ حال کی بعض ان قوتوں کا ذکر بہت تفصیل سے کرتے ہیں جو ان کے خیال میں یقین، تنظیم اور جدوجہد کے نتیجے میں معمولی حیثیت سے اعلیٰ مقام پر پہنچی ہیں۔ وہ جاپانیوں کی صنعتی ترقی اور یہودیوں کی سخت جانی اور پختہ خیالی کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کرتے ہیں۔ پروفیسر شیخ محمد عثمان لکھتے ہیں:

> ''وہ اہل ملک کی توجہ اس طرف دلاتے ہیں کہ جب تک ہندوستان صنعتی ملک نہ ہوگا اور ہم جاپانیوں کی طرح اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہوں گے اس وقت تک قدرت ہمیں قحط کے تازیانے لگاتی رہے گی اور طرح طرح کی وبائیں ہمیں ستاتی رہیں گی۔''(۶)

اقبال کی سوچ یہ تھی کہ مسلمان بھی جاپانیوں کی طرح صنعتی ترقی کریں اور یہودیوں کی طرح سخت جان اور محنت کش ہو جائیں۔ وہ تب ہی ترقی کر سکتے ہیں۔ اس مقالے کی اشاعت کے بعد وہ انگلستان چلے گئے۔ وہاں سے بیرسٹری اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں لے کر وطن واپس آئے۔ کچھ عرصہ گورنمنٹ کالج لاہور میں درس و تدریس کی لیکن جلد ہی سرکاری نوکری سے بیزار ہو کر بطور وکیل کام کرنا شروع کر دیا اس وقت ملک میں یعنی ہندوستان میں جو سیاسی جماعت وجود میں آ چکی تھیں آل انڈین نیشنل کانگرس ۱۸۸۵ء میں اور آل انڈیا ملک مسلم لیگ ۱۹۰۶ء میں۔ کانگرس صرف اور صرف ہندوؤں کے مفادات کے لیے کام کر رہی تھی۔ لیکن مسلم لیگ مسلمانوں کے حقوق اور مفادات کے لیے کام کر رہی تھی۔ اس وقت حالات یہ تھے کہ کانگرس برطانیہ سے آزادی حاصل کر کے متحدہ ہندوستان پر حکمرانی کے خواب دیکھ رہی تھی۔ جبکہ مسلم لیگ آزادی کے بعد الگ مسلم ریاست کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

۱۹۲۶ء میں اقبال نے عملی طور پر سیاست میں شامل ہونے کا ارادہ کر لیا۔ انہی دنوں ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخابات کا اصول تسلیم کر لیا گیا۔ اقبال سر سید احمد خان کے سیاسی مکتبہ فکر کو درست خیال کرتے ہوئے ذہنی و قلبی طور پر اس سے وابستہ ہو گئے۔

> ''پنجاب کا سیاسی نقشہ عجیب و غریب تھا۔ شہروں میں کچھ پڑھے لکھے اور درمیانہ طبقہ کے لوگ تھے۔ لیکن صوبہ کی بیشتر آبادی دیہات میں تھی۔ اس لیے دیہاتی شہری کا امتیاز اہمیت اختیار کر گیا۔ علاوہ اس کے سارے کا سارا صوبہ مختلف برادریوں میں بٹا ہوا تھا۔ شہروں میں بھی یہی حال تھا اور کوئی بھی شخص اپنی برادری کی حمایت کے بغیر کسی قسم کی عوامی مقبولیت حاصل نہ کر سکتا تھا۔ اقبال نے اسی سبب قیام لاہور ابتدائی ایام میں انجمن کشمیریاں مسلمانان سے وابستگی پیدا کی اور انجمن کی فلاح و بہبود کے لیے اس کی کارروائیوں میں سرگرم رہے۔ لیکن جلد ہی انھوں نے محسوس کیا کہ مسلمان اخوت کے نصب العین کو پیچھے دھکیل کر برادریوں کے فریب میں مبتلا ہیں اور ان کے اس فریب خوردگی سے ملی سیاست کے متاثر ہونے کا خطرہ ہے۔ تو انھوں نے ایسے مخصوص اداروں سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔''(۷)

عاشق حسین بٹالوی کے خیال میں مائیکل اڈوائر پہلا شخص تھا جس نے بڑی چالاکی سے پنجاب کے دیہاتی مسلمانوں کو شہری مسلمانوں کا مخالف بنا کر مسلمانوں کی قومی وحدت ملی کو شدید نقصان پہنچایا۔ عاش بٹالوی یوں رقمطراز ہیں:

> ''بالآخر اسی مصنوعی اور غیر حقیقی تقسیم نے پنجاب کی سیاسیات میں ۱۹۲۳ء میں یونینسٹ پارٹی کو جنم دیا جس کے بانی سر فضل حسین تھے۔ سر فضل حسین کے اثر

ورسوخ کے سبب پنجاب لیجسٹو کونسل میں یونیسنٹ پارٹی نے مضبوط پوزیشن حاصل کر لی۔لیکن پارٹی کی ریشہ دوانیوں نے قبائلی تعصب کا زہر مزید پھیلا اور مسلمانوں میں شہری دیہاتی کی دیوار کھڑی ہوگئی۔''(۸)

پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے انتخابات میں حصہ

۱۹۲۶ء میں پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے انتخابات ہوئے۔اقبال نے ان انتخابات میں حصہ لیا اور ممبر منتخب ہو گئے۔ بحیثیت ممبر پنجاب لیجسلیٹو کونسل اقبال نے مسلمانوں کے مسائل کو اجاگر کرنے کے لیے تقریریں کیں۔اگر ان کی تقاریر کا جائزہ لیا جائے تو درج ذیل چند باتیں واضح طور پر سامنے آتی ہیں:

۱۔ اگرچہ کانگریس یا مجلس احرار سے انہیں نظریاتی اختلاف تھا یا نہیں انھوں نے حکومت کو اس کے غلط رویے پر ٹوکا۔

۲۔ مسلمانوں پر ہندو وزراء کی طرف سے کی جانے والی زیادتیوں کو بے نقاب کیا اور اعداد و شمار کی روشنی میں پنجاب کی مسلم اکثریت کی مظلومیت اور ہندو اقلیت کی جارحیت اور چہرہ دستی پر واضح الفاظ میں تنقید کی۔

۳۔ طبقاتی پسماندگی کے تدراک اور دفعیے کے سلسلے میں انھوں نے جو تجاویز پیش کیں یا تقریریں کیں ان میں ہندو مسلم اتحاد سوال پیدا نہیں کیا بلکہ سب کی فلاح و بہبود کا اصول پیش نظر رکھا۔

۴۔ اقبال نے حکومت پر ہمیشہ دیدہ دلیری سے تنقید کی۔ان کی تنقید تعمیری ہوتی تھی۔جس مسئلے پر وہ اعتراض کرتے تھے اس کا حل بھی خود پیش کر دیتے تھے۔

۵۔ کونسل میں جب بھی دیسی بدیسی کا مسئلہ زیر بحث آیا تو اقبال نے ہمیشہ بدیسی کے مقابلے میں دیسی کو ترجیح دی۔

۶۔ عام لوگوں کی فلاح و بہبود اور خصوصاً مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے زور دیا۔عوامی مطالبات کو منظور کرانے کے لیے تگ و دو کرتے رہے اور مسائل حل کروانے کی بھی بھرپور کوششیں کرتے رہے۔

اقبال ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۰ء تک پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے ممبر رہے اور انھوں نے بڑے اہم کارہائے نمایاں ادا کیے۔تعلیمی حوالے سے حکومت پر تنقید کی اور حکومت پر زور دیا کہ وہ نہ صرف نئے تعلیمی ادارے کھولے بلکہ موجودہ اداروں کو مالی گرانٹ دے تاکہ وہ طلبہ اور اساتذہ کو ممکن حد تک سہولیات فراہم کر سکیں۔

فسادات لاہور ۱۹۲۷ء:

۳ مئی ۱۹۲۷ء کو کسی شر پسند نے افواہ پھیلا دی کہ ایک مسلم نوجوان نے ایک سکھ لڑکی پر مجرمانہ حملہ کیا ہے تو لاہور میں فسادات شروع ہو گئے۔ سکھوں نے مسلمانوں کے گھروں پر حملے کرنے شروع کر دیئے۔ ان حالات میں علامہ اقبال نے مسلمانوں کو صبر اور تحمل کی تلقین کی تا کہ شہر میں امن و امان قائم رہ سکے۔ مولانا محمد علی جوہر نے علامہ محمد اقبال کی ان کوششوں سے متاثر ہو کر اپنے اخبار ''ہمدرد'' ۵ مئی ۱۹۲۷ء میں لکھا:

> ''میں نے جب اخبارات میں پڑھا کہ کس طرح علامہ اقبال نے مسلمانوں کو ایک بار نہیں بلکہ بار بار اور دن رات صبر و تحمل کی تلقین فرمائی تو میرے دل سے اس سچے محبّ وطن کے لیے دعا نکلی۔''(۹)

انہی دنوں میں لاہور کے ایک متعصب ہندو راجپال نے حضرت محمدؐ کی گستاخی میں ایک کتاب ''رنگیلا رسول'' لکھی جس سے مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہو گیا۔ جلسے اور جلوس نکلنے لگے۔ ہندوؤں کے خلاف قراردادیں منظور ہوئیں۔ راجپال کے خلاف مقدمہ درج کر لیا گیا۔ لیکن مسلمان مطمئن نہیں ہو رہے تھے۔ اقبال اپنے بے شمار جلسوں میں تقاریر کر کے مسلمانوں کو پر امن رہنے کی تلقین کرتے رہے۔ تاہم وہ راجپال کے خلاف بھی مسلسل تقاریر کرتے رہے اور انھوں نے پنجاب لیجسلیٹو کونسل میں بھی قرارداد پیش کی۔ آخر کار شہر کے ایک بہادر اور غیور نوجوان علم الدین نے راجپال کو قتل کر دیا اور اس طرح یہ معاملہ ختم ہو گیا۔

اقبال اور دو قومی نظریہ

اقبال تصور پاکستان کے خالق ہیں۔ انھوں نے یہ عظیم خواب دیکھا یعنی ان کی قرطاس فکر پر نوشتہ تقدیر الٰہی منعکس ہوا۔ جس میں انھوں نے آنے والے حالات کی صورت دیکھی۔ اقبال نے نہ صرف پاکستان کے متعلق پیش گوئی نہیں کی بلکہ ان کی دشواریوں کے متعلق بھی بات کی۔ جن کا اپنی زندگی کے آغاز میں پاکستان کو مقابلہ کرنا تھا۔

اقبال نے جو دو قومی نظریہ پیش کیا وہ یہ تھا کہ برصغیر بہت بڑا ملک ہے۔ جس میں دو بڑی قومیں آباد ہیں یعنی ہندو اور مسلمان صویوں سے اکٹھا رہنے کے باوجود ان کی تہذیب و تمدن، معاشرت اور رسم و رواج الگ الگ ہیں۔ یہ کبھی بھی ایک نہیں ہو سکتے۔

اقبال کی سیاست کا صحیح مقام متعین کرنے کے لیے اس موضوع کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلا اقبال کے خطوط جن میں کئی مقامات پر چنگاریاں دلی نظر آتی ہیں جو آگے چل کر شعلہ بنیں۔ جنھوں نے اقبال کی زندگی کو یکسر شعلہ و شرر بنا دیا۔ پھر یہی چنگاریاں فروغ جاوداں بن کر قوم میں منتقل

ہوگئیں۔ جس کے نتیجے میں پاکستان معرض وجود میں آیا۔ دوم وہ ہندوستان میں چلنے والی آزادی کی تحریکوں، ہنگاموں، فسادوں، خونریزیوں، تصادم، ہندو مسلم اتحاد کی کوششوں، آزادی ہند کی سعی وکوشش، اصلاحات سیاسی کے نفاذ، گول میز کانفرس اور صوبائی خودمختاری جیسی تحریکوں سے بہت متاثر ہوئے۔ سوم آپ نے پنجاب اسمبلی کے ممبر کی حیثیت سے گول میز کانفرنس کے رکن کی حیثیت سے اور نہرو رپورٹ کے مخالف کی حیثیت سے بہت سی کوششیں کیں۔ وہ تقاریر اور بیانات کے ذریعے مسلمانوں کی قیادت اور رہنمائی کرتے رہے۔

مسلمان رہنماؤں میں سب سے پہلے سرسید احمد خان نے دوقومی نظریے کی بنیاد رکھ دی تھی اور اعلان کیا تھا کہ برصغیر میں دو بڑی قومیں آباد ہیں۔ ہندو اور مسلمان۔ ان کی روایات، تہذیب وتمدن، ثقافت اور رہن سہن ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مسلمان ایسے اداروں کو تسلیم نہیں کرتے جن کی بنیاد ووٹوں پر ہو۔ کیونکہ تعداد بے پناہ غلبے کی وجہ سے ہندو قوم مستقل طور پر مسلمان قوم کو غلام بنا لے گی۔ بیسویں صدی کے شروع میں نئی مسلم قیادت کو دوقومی نظریہ کا احساس تھا۔ چنانچہ اس نے جداگانہ انتخابات کا مطالبہ کیا اور اسے اصولی اعتبار سے منوالیا۔ اقبال نے اپنی نظم ''وطنیت'' میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا ہے:

اس دور میں مے ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روش لطف وستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بت کہ تراشیدہ تہذیب نوی ہے
غارت گری کا نشان دین نبوی ﷺ ہے
بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا دیس ہے، تو مصطفوی ہے
نظارہ دیرینہ زمانے کو دکھادے
اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملادے (۱۰)

فکرِ اقبال کا تجزیہ کیا ہے تو اس کے پہلو میں سیاسی فکر پوری طرح جلوہ گر نظر آتی ہے۔ ایک طرف اقبال نے اسلامی قومیت کی تشریح اپنی نثری تحریروں میں کی تو دوسری طرف اس کا شعری روپ، ''ترانہ ملی'' ہے۔ اس دور کی اقبال کی تمام نظموں کا موضوع اسلامی قومیت ہی ہے۔ شمع اور شاعر، شکوہ،

جواب شکوہ اور کئی دوسری نظموں میں انھوں نے مسلمانوں کو ان کا ماضی یاد دلایا ہے کہ وہ ماضی میں اپنے مذہب پر کاربند ہونے کی وجہ سے اور باعمل مسلمان ہونے کی وجہ سے ساری دنیا پر حکمرانی کرتے رہے اور اب وہ غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں مسلسل جدوجہد اور عمل کی تلقین کی۔ اس حوالے سے عبدالمجید سالک یوں رقمطراز ہیں:

''یہ نظمیں اس بات کا پتا دیتی ہیں کہ شاعر کے دل و دماغ میں اپنے مقدس نصب العین کو مقبول عام بنانے کا جوش بدرجہ اتم پیدا ہو چکا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ یہی وہ نظمیں ہیں جن سے اقبال اسلامی ہند کی آنکھ کا تارا بن گئے اور تمام مسلمان بلا امتیاز مسلک وعقیدہ ان کے فدائی ہو گئے۔ اس زمانے میں مائیکروفون نہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود پندرہ پندرہ، بیس ہزار کے مجموعوں میں اقبال اپنی نظمیں اپنے آہنگ بلند شیریں میں سناتے تھے۔ جو سن سکتے تھے وہ بے خود ہو جاتے تھے اور جو نہیں سکتے تھے وہ بھی مسحور ہو کر بے حس و حرکت اپنے محبوب شاعر کے چہرے کو ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہتے تھے۔''(۱۱)

عالمی شہرت کے شاعروں اور مفکروں میں شاید ہی کوئی ایسا ہو گا جس نے اقبال کی طرح سیاسیات خصوصی، عملی سیاست سے گہری دلچسپی کا اظہار کیا ہو اور اپنے خوابوں کی تعبیر میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوا ہو۔ اقبال کی فکر اور شاعری دونوں پر ملکی و بین الاقوامی سیاسی حالات نے گہرا اثر ڈالا اور ان کی نشاندہی کوئی تحریر ہو جو ملت اسلامیہ کے سیاسی مسائل سے یک گونہ تعلق نہ رکھتی ہو۔ اقبال نے ہمیشہ دو باتوں پر زیادہ زور دیا۔ پہلی جداگانہ انتخابات، دوسری: صوبائی خودمختاری، پہلے مطالبے کا مقصد قومی تشخص تھا اور دوسرے مطالبے کا مقصد یہ تھا کہ جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں حکومت ان کے ہاتھ میں دے دی جائے اور یہی دو مطالبے قیام پاکستان کا سبب بنے۔ پروفیسر ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں:

''اقبال نے اسلام کی آواز بلند کی اور مسلمانوں کو مضبوط بنانا چاہا۔''(۱۲)

اقبال نے اپنے فکری ارتقا کے بعد جب ہندو برادری کے بجائے اسلامی برادری کی بات کی تو ہندو دانشوروں کو بہت تشویش ہوئی۔ ''ترانہ ملی'' اسلامی قومیت کا آئینہ اور ملت اسلامیہ کا ترجمان ہے، ہندوؤں کے نزدیک مسئلہ یہ تھا کہ اقبال جو وطنی قومیت کے مخالف اور اسلامی قومیت کے نقیب بن گئے۔ آزادی کی صورت میں وطنی قومیت متحدہ ہندوستان کی شکل اختیار کر گئی۔ جس پر ہندو اکثریت کا راج قائم ہوتا۔ ہندوؤں کو یہی پسند تھا۔ اسلامی قومیت کا نتیجہ ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے الگ ریاست کا قیام تھا۔ اقبال کے نزدیک ایک اسلامی ریاست وہ ہے جہاں ایک متحد العقیدہ قوم ہو، جہاں شریعت اسلامی نافذ ہو اور جہاں دین اسلامی کی صوری اور معنوی برکات منعکس ہوں۔ اسلامی ریاست میں حدیث، رواداری، اخوت اور مساوات کا بول بالا ہوتا ہے۔ اسلامی اخلاق لوگوں کی رگ و پے میں

نمایاں نظر آتا ہے۔ بحث ونظر کا اختلاف معتدل انداز میں ہوسکتا ہے۔ مگر قوم من حیث المجموعی فکر وعمل کے اعتبار سے متحد اور متفق رہتی ہے۔ اقبال اتحاد بین المسلمین کو توحید کا لازمی حصہ بتاتے ہیں اور یہ اتحاد فکری کے علاوہ عملی بھی ہونا چاہیے۔ ریاست کا اسلامی تصور اسی اصطلاح کے اندر پوشیدہ ہے جو اسلام نے ریاست کی تعبیر کے لیے اختیار کیا ہے۔ اسلامی ادب کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ اسلام نے اپنے اصولوں پر قائم شدہ سیاسی تنظیم کے لیے ریاست یا سلطنت یا حکومت کی اصطلاحیں اختیار نہیں کی ہیں بلکہ خلافت یا امارت کی اصطلاحیں وضع کی ہیں۔ اس وجہ سے ریاست کا اسلامی تصور واضح کرنے کے لیے سب سے پہلے ان اصطلاحات پر غور اور ان کے مضمرات کو سمجھنا ضروری ہے، خلافت کی اصطلاح اسلامی اصولوں پر الگ قائم شدہ ریاست کے لیے استعمال ہوئی ہے۔

دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک ہندوستان ہے، اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے کہ اسے ایک مخصوص علاقہ میں مذکور کر دیا جائے۔ سرفراز حسین مرزا لکھتے ہیں:

> ''علیحدہ اسلامی ریاست کا مطالبہ مسلمانوں کی اس دلی خواہش پر مبنی ہے کہ انہیں کہیں نشوونما اور ارتفاع کا موقع ملے۔ اس لیے کہ ہر قسم کے مواقع کا حاصل ہونا، اس وقت قومی کے نظام حکومت میں قریب قریب غیر ممکن ہے جس کا نقشہ ہندو ارباب سیاست، اپنے ذہن میں لیے بیٹھے ہیں اور جس کا مقصد وحید یہ ہے کہ تمام ممالک میں مستقل طور پر ہندوؤں کو غلبہ وتسلط حاصل ہو جائے۔''(۱۳)

اقبال نے یہ بات محسوس کر لی تھی کہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمان اکٹھے زندگی نہیں گزار سکتے۔ کیونکہ ہندوؤں نے ہمیشہ مسلمانوں کی مخالفت کی۔ انھوں نے ''شدھی اور سنگٹھن'' جیسی تحریکیں مسلمانوں کے خلاف چلائیں۔ آپ نے مسلمان قوم کو خواب خرگوش سے جگایا۔ اس میں سیاسی شعور پیدا کیا اور مسلمانوں کے مسائل کا واحد حل ایک علیحدہ اسلامی ریاست کو قرار دیا۔ آپ لندن میں ہونے والی گول میز کانفرنس میں بھی شریک ہوئے اور مسلمانوں کے مسائل اور جذبات کی ترجمانی کی۔ اقبال بہت کم عرصہ سیاست میں رہے تاہم انھوں نے مسلمانوں کو انگریزوں سے نجات دلانے کے لیے اور مسلمانوں کی الگ ریاست بنانے کے لیے اہم کردار ادا کیا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر عبدالحمید یوں رقمطراز ہیں:

> ''اقبال، شاعر کو ''دیدہ بینائے قوم'' کہتے ہیں۔ لیکن اپنی عمر کا زیادہ حصہ وہ سیاست کے میدان سے کنارہ کش رہے۔ ۱۹۲۶ء میں وہ عملی سیاست میں داخل ہوئے اور اپنی وفات کے وقت تک سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔ اس لحاظ سے ان کی سیاست کی عمر بارہ سال سے کم بنتی ہے۔''(۱۴)

مفکرِ پاکستان کا خطبہ الہ آباد

دسمبر ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں علامہ محمد اقبال نے اپنا تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا۔ اپنے خطبے میں اقبال نے برِعظیم کے مسلمانوں کے قومی مطالبات پر شمال مغربی ہند کے مسلم اکثریتی خطے کے مخصوص تقاضوں اور مستقبل کے پنپنے کی فکری اساس کے ڈانڈے آپس میں مربوط تھے۔ اس حوالے سے خطبہ الہ آباد تحریک پاکستان کی نہایت اہم تاریخی دستاویز ہے۔ اقبال کے خیال میں اسلامی اخلاقی نصب العین اور ایک خاص قسم کے نظام سیاست کا امتزاج ہے اور اس نے برصغیر کے مسلمانوں کی زندگی کو بہت متاثر کیا ہے اور انہیں ایسے بنیادی احساسات اور وفاداریاں مہیا کی ہیں جن سے بکھرے ہوئے افراد اور گروہ ایک واضح اور معین قوم کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں اور ایک منفرد اخلاقی شعور کے مالک بن جاتے ہیں۔ یہ کہنا حقیقت میں مبالغے سے خالی ہے کہ ہندوستان دنیا کا واحد خطہ ہے جہاں اسلام نے بہترین انداز میں تعمیرِ قوم کی قوت کا کام کیا ہے۔ انھوں نے اس یورپی تصور کو غلط قرار دیا کہ مذہب فرد کا ایک سچا مطالبہ ہے اور اسے انسان کی دنیاوی زندگی سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اقبال کہتے ہیں: اسلام انسان کی وحدت کو روح اور مادے کی ناقابل مصلحت معنویت یا دوئی میں منقسم نہیں کرتا۔ اسلام میں خدا اور کائنات، روح اور مادہ کلیسا اور ریاست باہم مربوط ہیں۔ خطبہ الہ آباد کا زیادہ حصہ ان دونوں کے تازہ اور ماضی قریب کے واقعات کی روشنی میں لکھا گیا تھا۔ نہرو رپورٹ کو مرتب کرنے والوں نے مسلمانوں کے آئینی تحفظات کے متحدہ مطالبے کو یک سر بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ اقبال نے مجوزہ فیڈریشن کے ڈھانچے کو مسلمانوں کے لیے ضرر رساں قرار دیا۔

مسلم اکثریت کے سبب سے اہم صوبے پنجاب اور بنگال تھے۔ ان میں مسلمانوں کو خفیف سی عددی اکثریت حاصل تھی۔ لیکن اس کے باوجود یہاں کے غیر مسلموں کی معاشی حالت اتنی مستحکم تھی کہ مسلمانوں کو ان دو اسلامی صوبوں میں بھی کوئی حقیقی اثر و رسوخ حاصل نہ تھا۔ لکھنو پیکٹ کی تسلیم شدہ شرائط کے ماتحت اور ۱۹۱۹ء کے آئین کی رو سے ان میں مسلمانوں کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ نکلا کہ مسلمان خواہ کسی صوبے میں اقلیت میں ہوں یا اکثریت میں ان کو ہر جگہ اقلیت بن کر ہی رہنا پڑے گا۔ یہ صورت آگے چل کر بہت خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ اقبال نے خطبہ الہ آباد میں اس کا یہ حل پیش کیا کہ پنجاب سے اس کے غالب ہندو اکثریت والے اضلاع کو علیحدہ کر کے صوبے کی سرحدوں کا از سرِ نو متعین کیا جائے تا کہ پنجاب مسلم اکثریتی صوبہ بن جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے یہ تجویز بھی دی کہ سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر کے بلوچستان میں ضم کیا جائے۔

اقبال کے پانچ سطروں کے جس فقرے نے خطبہ الہ آباد کو تاریخی شہرت بخشی وہ یوں تھا کہ مسلمان اکثریت کے صوبوں کو ملا کر شمال مغرب ہند میں ایک مستحکم ریاست کا قیام مجھے کم از کم اس علاقے کے مسلمانوں کی تعداد کا حتمی تقاضا نظر آتا ہے۔ خطبہ الہ آباد کے حوالے سے ڈاکٹر ایوب صابر

یوں رقمطراز ہیں:

''خطبہ الہ آباد کی ارفع ترین سطح ایک آزاد مسلم ریاست کی تشکیل کے نصب العین کی نشاندہی ہے۔ جن محققین کی نظر میں مذکورہ سطح پر لگی رہتی ہیں وہ کچھ بصارت سے بھی کام لیں تو خطبہ الہ آباد کی یہ ارفع ترین سطح انہیں صاف دکھائی دے گی۔'' (۱۵)

اقبال کے خطبہ الہ آباد کے حوالے سے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے برصغیر کے مسلم اکثریتی علاقوں پنجاب، سندھ، سرحد، بلوچستان، آسام اور بنگال کو الگ ریاست کی تشکیل دینے کا مطالبہ کیا۔ جہاں تمام اختیارات ان صوبوں کو حاصل ہوں۔

مجموعی جائزہ

اگر ہم اقبال کی سیاسی زندگی کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کا سیاست میں حصہ لینا دراصل مسلمانوں کی اصلاح اور ترقی کے زیر اثر تھا کیونکہ مسلم قوم سے بہت زیادہ محبت تھی۔ وہ مسلمانوں کو غلامی میں دیکھ کر بہت کڑھتے تھے۔ اگرچہ وہ تقریباً بارہ سال عملی سیاست میں رہے تاہم انھوں نے گول میز کانفرنس میں شرکت کی۔ لاہور کے فسادات میں مسلمانوں کی رہنمائی کی اور آخر کار ۱۹۳۰ء میں خطبہ الہ آباد میں مسلم قوم کے لیے الگ ریاست کا تصور دے دیا جو کہ آخر کار ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کا سبب بنا۔

حوالہ جات

۱۔ خالد نظیر صوفی، اقبال درون خانہ، لاہور: بزم اقبال، ۱۹۷۱ء، ص: ۸۔۷

۲۔ محمد دین فوق، مرتب: تاریخ سیالکوٹ، لاہور: مطبع ندارد، ۱۹۲۴ء، ص: ۹۵

۳۔ محمد صدیق شبلی، ڈاکٹر، علامہ اقبال کی تحریروں کا متن، اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۱۹۸۸ء، ص: ۱۲

۴۔ عبدالواحد معینی، سید، مرتب: مقالات اقبال، لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۸۸ء، ص: ۸۶

۵۔ ایضاً، ص: ۸۷

۶۔ محمد عثمان، شیخ، حیات اقبال کا ایک جذباتی دور، لاہور: مکتبہ جدید، ۱۹۷۵ء، ص: ۱۴۶

۷۔ محمد عبداللہ قریشی، آئینہ اقبال،، لاہور: طبع اول، س ن، ص: ۱۹۶

۸۔ عاشق حسین بٹالوی، اقبال کے آخری دو سال، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء، ص: ۴۰

۹۔ اخبار ہمدرد، لاہور، مورخہ ۸ مئی ۱۹۲۷ء

۱۰۔ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، جلد دوم، ۱۹۹۴ء، ص: ۱۸۷

۱۱۔ سالک، عبدالمجید، ذکرِ اقبال، لاہور: بزمِ اقبال، کلب روڈ، ۱۹۵۵ء، ص:۹۴
۱۲۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، تصورِ پاکستان، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص:۴۸
۱۳۔ سرفراز حسین مرزا، تصورِ پاکستان سے قراردادِ پاکستان تک، لاہور: پاکستان سٹڈی سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۸۵ء، ص:۳۲۱
۱۴۔ عبدالحمید، ڈاکٹر، اقبال بحیثیت مفکرِ پاکستان، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۷۷ء، ص:۱۳۵
۱۵۔ ایوب صابر، ڈاکٹر، تصورِ پاکستان، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص:۱۵۹

☆.....☆.....☆